قانونی نظام کی شناخت اور معیار: ایک تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن ☆

The validity and existence of a legal system depends on the criterion on the basis of which such legal system is identified. Under the modern legal systems a huge amount of literature is dedicated to answering the question, whit is law and what are the criteria which determines which laws are part of the legal system and which are not. This is because the unity of the legal system depends on the contents of spirit of its laws. There is much confusion in defining law and determining its legitimacy of law in western jurisprudence. The Command Theory of Austin, the rule of recognition of Hart and the theory of basic norm of the legal system of Kelson are the best known concepts in this regard, however, these theories are not much successful in clarifying the concept about the nature and definition of law.

As against this, law under the Islamic teachings is divinely ordained systems of God's commands. There is no confusion that the will of Allah is law, however, it is the man who discovers the divine will and transforms it into a legal system. In this article, the efforts of the western and Islamic jurists as well as the viewpoints of both the systems have been critically evaluated.

کسی چیز کی حقیقت، نوعیت، مفہوم اور صحیح تصور معلوم کرنے کے لیے اس کے معیار (۱) کو دیکھا جاتا ہے۔ دنیائے قانون میں بھی قانون کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے ایک معیار (criteria) (۲) مقرر کیا گیا ہے جس سے کسی ملک کے قانون یا قانونی نظام کی شناخت ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ معروف ماہر قانون جوزف راز کے درج ذیل اقتباس سے کیا جا سکتا ہے:

"The identity of the system is found in the criterion or set of criteria that determines which laws are part of the system and which are not.(3)"

قانونی نظام کا معیار متعین ہونے سے اس نظام میں ایک وحدت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ منتشر قواعد کا مجموعہ ہونے کی بجائے ایک اکائی نظر آتا ہے۔ مصنف مذکور آسٹن، کیلسن اور ہارٹ کا تشکیل قانون کا بنیادی نظریہ اور ان کا طے کردہ معیار ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ان ماہرین قانون کے نزدیک کسی قانون میں وحدت اس قانون کی روح، روایات، مندرج موضوعات اور اس کے اہم قانونی اداروں پر منحصر نہیں ہے، اس کی بجائے وہ اسے پرکھنے کا ایک معیار تجویز کرتے ہیں (۴)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد

قانون اور قانونی نظام کی شناخت کا مسئلہ جدید دنیائے قانون میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس پر مستقل کتب تصنیف کی گئی ہیں۔ مغربی علماء قانون نے اس گتھی کو سلجھانے کے لیے ''معیار'' مقرر کرنے پر زور دیا ہے لیکن اس سے بھی صورتحال کی پیچیدگی میں کوئی کمی نہیں آئی اور ہر معروف جیورسٹ نے اپنا الگ سے پیمانہ تجویز کیا ہے جس سے معاملہ مزید الجھن کا شکار ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود کچھ نشانات راہ ایسے مل جاتے ہیں جن سے کسی حد تک منزل کی نشان دہی ہو جاتی ہے، گو کہ کوئی حتمی معیار تجویز نہیں کیا جا سکا جسے عالمگیر قبولیت اور پذیرائی حاصل ہو۔

معروف ماہر قانون ایچ۔ ایل۔ اے۔ ہارٹ اپنی کتاب "The Concept of Law" کے آغاز ہی میں اس الجھن کا ذکر کرتا ہے کہ اگر قدیم اور قرون وسطیٰ کے قانونی لٹریچر سے صرف نظر بھی کر لیا جائے اور گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے لٹریچر پر نگاہ ڈالی جائے تو اس سوال "What is Law?" کے جوابات انتہائی پیچیدہ، طویل اور تضادات کا شکار نظر آتے ہیں، جبکہ دیگر مضامین مثلاً کیمسٹری یا میڈیسن وغیرہ میں یہ صورت حال اس قدر پیچیدہ نہیں ہے۔ ان مضامین کی ابتدائی نصاب کی کتابوں میں چند تعارفی صفحات کو کافی تصور کیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس قانون کی تعریف، اس کی نوعیت اور شناخت کا معاملہ زیادہ الجھا ہوا ہے۔ (۵)

مغربی اصول قانون میں ''قانون کی شناخت'' کے لیے معیار (criteria) کو اساسی بحث تصور کیا جاتا ہے۔ جوزف راز اپنی کتاب "The concept of a legal system" کے تعارف میں کسی بھی قانونی نظام کی پہچان کے لیے درج ذیل چار مسائل کے حل پر زور دیتا ہے:

(i) The problem of existence; what are the criteria for the existence of a legal systemț

(ii) The problem of identity; what are the criteria which determine the system to which a given law belongsț

(iii) The problem of structure; Is there a structure common to all legal systems or to certain types of legal systemț

(iv) The problem of content(6).

یہی بات لارڈ ہیمپسٹڈ نے معروف مغربی دانشور ولہیم (Wollheim) کے حوالے سے نقل کی ہے کہ قانون کی تعریف میں سب سے زیادہ الجھن اس وجہ سے پیدا ہو رہی ہے کہ ماہرین قانون تین سوالات کا کوئی

واضح اور غیر مبہم جواب نہیں دے سکے ہیں:

(1) Definition (2) A criterion for the validity of law (3) a general scheme for the criterian of validity of any legal system whatever(7).

یعنی جب تک قانون کی حقیقت معلوم نہ ہو، قانون کے وجود اور جواز کے لیے کوئی معیار مقرر نہ ہو اور کسی بھی قانونی نظام کو جانچنے کے لیے معیار یا تی جواز نہ ہو اس وقت تک قانون کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مغربی ماہرین قانون نے اس سمت میں کوئی کوشش نہیں کی ہے بلکہ بقول مصنف موصوف انیسویں صدی میں اس حوالے سے بنتھم، آسٹن، کیلسن اور ہارٹ کی کوششیں قابل قدر ہیں اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود جو منتخب معیار (selected criteria) ہے وہ اس بات کی ضمانت دینے سے قاصر ہے کہ اس کی تطبیق کس قانونی نظام کے حقیقی مندرجات پر ہو سکے گی:

"A serious limitation of this method is that there is no guarantee that the criteria selected can be shown to be applicable to the actual content of particular legal system"(8).

قانون کی پہچان کے لیے معیار کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں ہے لیکن الجھن یہ ہے کہ جس منتخب معیار کی بات کی جا رہی ہے اس کا معیار ہونا خود ایک سوالیہ نشان ہے...... البتہ جوزف راز پُر امید ہیں کہ قانون کی شناخت کے مسئلہ کے حوالے سے چند مجوزہ نظریات بالکل معروف اور واضح ہیں:

perhaps the best known are" A law is part of a legal system if and if it was enacted directly or indirectly by the sovereign of that system (Austin), or if and only if it is authorized by the basic norm of the system (Kelson), or if and only if it ought to be recognized according to the rule of recognition of the system (Hart)"(9).

گویا مصنف کے نزدیک قانون کی پہچان کے لیے جو منتخب معیار ہیں ان میں سے ایک آسٹن کی "command theory" ہے جس میں اس سوال "What is law?" کا جواب ہے کہ مقتدر اعلیٰ کا حکم قانون ہے، اس کے لیے معیار صرف یہ ہے کہ وہ مقتدر اعلیٰ کا حکم ہو۔ دوسرا مجوزہ جواب کیلسن کے "Basic Norm" یا "Ground norm" کے نظریے کی مدد سے دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی بھی قانون "Basic

"Norm" کے مطابق ہے تو اسے قانون کا جواز مل جائے گا بصورت دیگر وہ قانون نہیں ہے۔ اور تیسرا مجوزہ جواب یہ ہے کہ اگر ایچ۔ ایل۔ اے ہارٹ کے تصور قانون کے مطابق "rule of recognition" یعنی اسے قانون تسلیم کرتا ہے تو وہ قانون ہے ورنہ اسے قانون کا درجہ حاصل نہیں ہے (۱۰)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک معیار پر ماہرین قانون کا اتفاق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قانون کی حقیقت، نوعیت، دائرہ کار، سند اور معیار تک ہر چیز میں الجھن دکھائی دیتی ہے، جو چیز کسی ایک دانشور کے نزدیک قانون ہے، وہ دوسرے کے نزدیک قانون کا درجہ نہیں رکھتی۔

اسلامی قانون کی شناخت کا معاملہ بھی بڑا نازک اور پیچیدہ ہے، اگر چہ یہاں معیار کا معاملہ الجھن کا شکار نہیں ہے، اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ''حکم شرعی'' ہی معیار ہے۔ اسلام کے فلسفہ قانون میں یہ سوال کہ قانون کیا ہے؟ اور اسلامی قانون کو جانچنے اور پرکھنے کا معیار کیا ہے؟ اُن اُلجھنوں اور پیچیدگیوں سے کافی حد تک پاک ہے جن کا شکار مغرب کا تصور قانون ہے۔ اگر چہ اس ضمن میں بھی بعض مباحث مثلاً ''حاکم'' کے ضمن میں حاکم حقیقی اور عقل کے دائرہ کار کے لحاظ سے ابتدائی دور سے ہی معرکۃ الآراء بحث شروع ہوگئی تھی لیکن یہ اس قدر جوہری اختلاف نہیں تھا جس قدر مغربی اصول قانون میں پایا جاتا ہے۔ قریب قریب تمام علماء اصول (۱۱) نے اسلامی قانون کی تشکیل کے بنیادی عناصر پر روشنی ڈالی ہے، بلکہ بعض معاصر علماء نے ''حکم شرعی'' اور اس کے ارکان پر مستقل کتب تصنیف کی ہیں (۱۲)۔ لیکن صورت حال کی نزاکت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ سوال اٹھتا ہے کہ منشاء الٰہی کی تعیین میں عقل انسانی کا دائرہ کار کیا ہوگا، پھر عقل انسانی سے معلوم کردہ احکام کی نوعیت کیا ہوگی، ان کے حکم شرعی ہونے میں کس حد تک قطعیت ہے، اگر معاملہ ظنی ہے تو اس کا درجہ کیا ہے وغیرہ۔ اس نوع کے سوالات کا ایک تسلسل (Chain of Questions) ہے جس کے بارے میں بسا اوقات کوئی غیر مبہم، واضح اور قطعی جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے خود مسلمان مفکرین اور فقہاء میں بھی اختلاف رہا ہے۔

پھر اس حکم شرعی کے لیے اس کی سند (Authority) ''حاکم'' کا مسئلہ موضوع بحث بنتا ہے کہ حاکمیت کس کی ہے اور یہ کس کا حق ہے، مزید یہ کہ عقل انسانی کی حدود و قیود کیا ہیں، تیسرا رکن محکوم علیہ ہے یعنی حکم شرعی کا مخاطب کون ہے؟ اس میں انسان کے مکلّف ہونے یا نہ ہونے اور اس کی اہلیت (legal capacity) پر بات ہوتی ہے کہ مکلّف میں کون کون سے ضروری اوصاف ہونے چاہیے۔ چوتھا رکن محکوم فیہ ہے کہ جس فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱۳)، اس کی اپنی قانونی حیثیت کیا ہے۔ حکم شرعی کے

ان تمام ارکان کی معرفت سے اسلامی قانون کی نوعیت، سند اور اس کے معیار پر بہ آسانی گفتگو کی جا سکتی ہے۔

علماء اصول کے ہاں ''حاکم'' اور شارع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاکم اعلیٰ، شارع اور مقتدر اعلیٰ ہونے کا ثبوت قرآن مقدس کی متعدد آیات (۱۴) سے ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس حوالے سے اصولیین میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ علامہ آمدی بیان کرتے ہیں:

''لم یختلف المسلمون فی أن مصدر جمیع الأحکام التکلیفیة و الوضعیة هو اللّٰه سبحانه و تعالیٰ بعد البعثة''(۱۵)

بعض معاصر علماء کا یہ مؤقف کہ معتزلہ ''عقل'' کو ''حاکم'' تسلیم کرتے ہیں (۱۶)، درست نہیں ہے، کیونکہ یہ اختلاف ''حاکمیت الٰہیہ'' میں نہیں ہے بلکہ دراصل اختلاف یہ ہے کہ ''حکم شرعی'' کی معرفت کا ذریعہ وحی الٰہی ہے یا عقل۔ اللہ تعالیٰ کے ''حاکم مطلق'' مقتدر اعلیٰ اور شارع ہونے میں معتزلہ کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اس مؤقف کی تردید جامعہ ازہر کے ڈاکٹر عبدالحلیم (۱۷) ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''فلا خلاف فی أن الحاکم هو اللّٰه سبحانه و تعالیٰ...... وقع الخلاف فی طریق معرفة حکمه تعالی قبل بعثة الرسل او لمن لم تبلغهم الدعوة هل یمکن للعقل أن یستقل بمعرفة حکم اللّٰه تعالیٰ قبل ورود الشرع به''(۱۸)

امام غزالی نے اس اشکال کہ ''ہم اللہ کے سوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حاکمِ وقت، اور والدین کا حکم بھی مانتے ہیں اور اس طرح ان کی حیثیت بھی ''حاکم'' کی ہو جاتی ہے۔ کا جواب یہ دیا ہے کہ ان سب کی اطاعت کا حکم اللہ نے دیا ہے، اس لیے ان کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے:

''فلاحکم ولا أمر الا له، اما النبیؐ والسلطان والسید والاب والزوج فاذا أمروا و أوجبوا لم یجب شیٔ بایجابهم بل بایجاب اللّٰه تعالیٰ''(۱۹)

مخلوق میں سے جس کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس کے اختیارات کو اس مقتدر اعلیٰ کے قانون نے محدود کر دیا ہے، اس لیے ان میں سے کسی پر بھی حاکم مطلق یا مقتدر اعلیٰ (Sovereign) کی تعریف صادق نہیں آتی (۲۰) کیونکہ "Sovereign" کے تصور میں درج ذیل دو نکات اہم ہیں:

-There are, and can be, no legal limits on his law creating power.

-Legally unlimited power of the sovereign(21).

کسی فرد یا افراد کے ''حامل حاکمیت'' ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا حکم قانون ہے۔ اسے قانون سازی کے غیر محدود اختیارات ہیں اور کوئی خارجی چیز اس کے قانون سازی کے حق کو محدود کرنے والی نہیں ہے۔ حاکمیت کے اس تصور کا مصداق کسی مجلس قانون ساز، پارلیمنٹ یا بادشاہ کو قرار دینے میں اُلجھن پیش آتی ہے(۲۲)، البتہ اسلامی قانون میں فی الواقع حاکمیت کی حامل اور حقیقی مصداق ''اللہ وحدہٗ لا شریك '' کی ذات ہے جس کے اختیارات کو محدود کرنے والی کوئی طاقت نہیں، وہی غیر مشروط اطاعت کی مستحق ہے اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ اس کی صفات ''مٰلِكَ الْمُلْكِ ''(۲۳) ''مَلِكِ النَّاسِ ''(۲۴)، ''اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ ''(۲۵)، ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ''(۲۶) بیان کی گئی ہیں جو بدرجہ اُتم مقتدر اعلیٰ کے اندر پائی جاتی ہیں۔

یہاں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ برطانیہ، فرانس اور دیگر مغربی ممالک کی جدید حکومتوں میں حاکمیت (Sovereignty) کے نئے رجحانات کیا ہیں(۲۷)۔ جدید تصورات کے مطابق قانونی لحاظ سے حاکمیت کس کی ہے اور اس کے احکام کا قانونی درجہ کیا ہے۔ لیکن پہلے اس بات کا جائزہ ضروری ہے کہ مغربی تصورات کے مطابق حاکمیت (sovereignty) کا مفہوم کیا ہے۔

Sovereignty: یہ لاطینی لفظ superanus سے ماخوذ ہے جس کا معنی بالاتر (supereme) ہے۔ مغربی علماء قانون نے اس کا درج ذیل اصطلاحی مفہوم بتایا ہے:

"If a determinate human superior, not in a habit of obedience to a like superior, receive habitual obedience from the bulk of given society that determinate superior is soveriegn"(28).(Auston)

"The mark of soveriegnty is the power of making law without the consent of any superior or equal"(29).(Jean Bodin)

اگر ''حاکمیت'' کے حوالے سے کی گئی تمام تعریفات کا جائزہ لیا جائے تو ان چار اوصاف پر اکثر ماہرین قانون نے زور دیا ہے:

۱) **حاکم کسی کا ماتحت نہ ہو:** حاکم نہ قانون سازی کا اختیار نہ تو کسی اور کے قانون سے ملا ہو اور نہ کوئی قانون وہ طاقت اس سے لے سکتا ہے۔

۲) **غیر محدود اختیار:** قانون سازی کا غیر محدود اختیار ہو(۳۰)۔

۳) منفرد ہو: برطانوی نظائر میں حاکمیت کے اختیار کسی ایک فرد کے پاس ہوتے ہیں۔

۴) متحدہ قوت ہو: قانون سازی کی قوت ایک ہو خواہ وہ ایک فرد کے پاس ہو یا متعدد افراد کی کسی باڈی کے پاس ہو۔

آئینی لحاظ سے برطانیہ میں حکومت کے تمام اختیارات کا سرچشمہ تاج ہے لیکن تاج کے اختیارات حکمران بذات خود استعمال نہیں کرتا بلکہ تاجدار کے نام پر مختلف ادارے استعمال کرتے ہیں مثلاً قانون سازی کے اعلیٰ اختیارات کی حامل پارلیمنٹ ہے جبکہ انتظامی فرائض کابینہ سرانجام دیتی ہے، تاج دار برائے نام مقتدر اعلیٰ (۳۱) ہے۔

"In England the ultimate Legislator is parliament, for in our traditional constitutional theory parliament is sovereign".(۳۲)

بادشاہت کے اختیارات محدود ہونے کے بعد اب انگلستان میں قانونی اقتدار اعلیٰ پارلیمنٹ (۳۳) کو حاصل ہے۔ پارلیمنٹ کے قانون سازی کے اختیارات لامحدود ہیں۔ فرانسیسی مصنف ڈے لوئے (De Loeme) کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ: پارلیمنٹ ہر کام کر سکتی ہے سوائے اس کے کہ عورت کو مرد اور مرد کو عورت نہیں بنا سکتی (۳۴)۔

برطانیہ میں پارلیمنٹ کو قانون سازی کے غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ یہ بادشاہ، دارالامراء اور دارالعوام پر مشتمل ہے، لیکن قانون سازی کا حقیقی اختیار دارالعوام کے پاس ہے۔ جب پارلیمنٹ نے کوئی قانون وضع کیا ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ دارالعوام نے قانون وضع کیا ہے۔ یہ قانونی طور پر بالادست ادارہ ہے، اسے آئین میں ترمیم کرنے کا حق ہے، یہ عاملہ اور عدلیہ دونوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہر عدالتی فیصلے، رواج یا قانون عامہ (common law) کو ناجائز قرار دینے کا مجاز ہے اور اس کے قوانین قطعی تصور کیے جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ اور مقنّنہ کے ذریعہ جو قانون سازی کی جاتی ہے اسے "Supreme Legislation" سے تعبیر کیا جاتا ہے (۳۵) جیسا کہ سامنڈ کی تقسیم ہے، اسے "Statute law"، "Man made law" اور "positive law" جیسے مختلف عنوانات دیے جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں قانون سازی کا سب سے اہم اور براہ راست ذریعہ پارلیمنٹ کو تصور کیا جاتا ہے اور اس کے قوانین دیگر تمام قوانین پر برتر تصور کیے جاتے ہیں۔

ایک قومی ریاست کی حیثیت سے فرانس سب سے پہلے بادشاہت کے تحت مستحکم ہوا۔ جدید فرانس کی

سیاسی تاریخ کا آغاز ۱۷۸۹ء کے انقلاب سے ہوتا ہے۔ انقلاب سے قبل کا دور مطلق العنان بادشاہت کا دور تھا۔ حکمران اپنی حکمرانی کے جواز کے لیے الٰہی حقوق (Divine Rights) کا سہارا لیتے تھے جس کا واضح ثبوت لوئیس پنج دہم کا یہ اعلان ہے کہ ''حکومت کو خدا نے خاص اختیارات تفویض کیے ہیں اس لیے قانون سازی کا حق بلاشرکت غیرے صرف حکمران کو حاصل ہے'' (۳۶)۔

آزادی، مساوات اور جمہوریت کے نام پر جو انقلاب آیا اس نے بادشاہت، اشرافیہ اور کیتھولک کلیسا کی بساط الٹ دی (۳۷)۔ اس انقلاب کی کوکھ سے تحریری آئین نے جنم لیا اور عملاً یہ تسلیم کر لیا گیا کہ حکومت کے اختیارات کا سرچشمہ ملکی دستور ہوگا (۳۸)۔

فرانس کے دستور کے مطابق پارلیمنٹ تمام امور میں قانون سازی کی مجاز ہے۔ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کو اعلیٰ عدالتیں بھی کالعدم نہیں قرار دے سکتیں۔ البتہ پارلیمنٹ کی غیر ضروری مداخلت کے باعث قانون سازی کا دائرہ عمل متعین کر دیا گیا: یہ کہ تمام قوانین پارلیمنٹ پاس کرے گی اور یہ قوانین اہم معاملات کے متعلق اصول فراہم کریں گے۔

برطانیہ اور فرانس کی طرح دیگر تمام مغربی ممالک میں پارلیمنٹ ہی قانون سازی کا سب سے اہم اور مؤثر ذریعہ ہے اور اس کے قوانین کو دیگر تمام قوانین پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ انقلاب فرانس اور برطانوی اصلاحات کے بعد اکثر مغربی ممالک نے ان دونوں میں سے کسی ایک کے قانونی نظام کو اختیار کیا ہے۔ قانون سازی کا یہ جدید طریقہ دیگر تمام طریقوں پر حاوی ہو چکا ہے۔ امریکہ میں قانون سازی کا یہ اختیار کانگریس کو ہے (۳۹)۔ رسم و رواج، مذہبی رسوم اور عدالتی فیصلوں کی افادیت بہت حد تک کم ہو چکی ہے۔ یہ اب قانون سازی کے براہ راست ماخذ نہیں رہے ہیں گو کہ قانون سازی پر اثر انداز ضرور ہوتے ہیں اور مجالس قانون ساز قانون بناتے وقت ان مآخذ کو پیش نظر رکھتی ہیں لیکن عملاً پارلیمنٹ کے واضح تحریری قوانین ان کی جگہ لے چکے ہیں۔

آسٹن کی "Command Theory" کے مطابق قانون ''حاکم اعلیٰ کا حکم'' ہے جبکہ اسلامی قانون میں حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسلامی دستور کی اساس حاکمیت الٰہیہ ہے (۴۰)۔ اس کا یہ تصور ہے کہ اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت مطلقہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اسے درج ذیل نکات کی شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے:

- صرف اللہ کا حکم قانون ہے (۴۱)

- صرف اللہ کی غیر مشروط اطاعت واجب ہے (۴۲)
- صرف اللہ تعالیٰ کو قانون سازی کے غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔
- کسی بھی فرد، ادارے یا حاکم کو اللہ کے مقابلہ میں قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔
- ایک محدود دائرے میں جس کو بھی قانون سازی کا حق حاصل ہے وہ اللہ کا دیا ہوا حق ہے۔

اسلام حق حاکمیت نہ کسی فرد کو تفویض کرتا ہے نہ کسی طبقے، جماعت یا کسی قوم کو یہ حیثیت دیتا ہے، بلکہ حاکمیت کی سزاوار صرف اللہ کی ذات ہے، وہی حاکم حقیقی اور مقتدر اعلیٰ ہے (۴۳)۔

جو حقیقی حاکم ہے قانونی حاکمیت بھی اسی کی ہے۔ قانون کا سر چشمہ وہی ہے، اور حکومت کی حیثیت خلافت و نیابت کی ہے۔

اسلامی قانون میں بالاتفاق (۴۴) ''حاکم'' (law giver) اللہ تعالیٰ ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ منشاء الٰہی کے تعیین میں عقل انسانی کا دائرہ عمل کیا ہے۔

یہاں اساسی بحث یہ ہے اسلامی قانون یا حکم شرعی اللہ کی مرضی کا نام ہے لیکن وہ کون سا معیار ہے جس کے ذریعہ اس ''مرضی'' کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اس الجھن کا اظہار بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے کہ اسلامی قانون اللہ تعالیٰ کے احکام کا نام ہے لیکن اس کا نفاذ تو انسانی کاوش ہے اس لیے وہ اس دعویٰ کی صداقت کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ نوئل جے کولسن (Noel J.Coulson) کہتا ہے:

"Law is the divinely ordained system of God's Command"(45).

لیکن ساتھ ہی اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس خدائی قانون کا نفاذ تو انسانوں کے ذریعہ ہی ہوگا۔ اس طرح حقیقی منشاء خداوندی کے بارے میں متعدد سوالات جنم لیتے ہیں کیونکہ حکم الٰہی سے انسانی نفاذ تک بے شمار کڑیاں ہیں:

"But while law in Islam may be God given, It is man who must apply the law. God proposes: Man disposes. And between the original divine proposition and the eventual human disposition is interposed on extensive field of intellectual activity and decision"(46)

بطور ثبوت موصوف ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ مثلاً مراکش میں ایک عدالت طلاق کے مقدمہ

میں اس بنیاد پر عورت کے حق میں فیصلہ دے دیتی ہے کہ شوہر کے دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کو ضرر پہنچ رہا ہے اور وہ فیصلے کی بنیاد قرآن کے اس حکم کو بناتی ہے جس میں عورتوں سے ''حسن معاشرت'' کا حکم ہے، تو یہاں قرآنی حکم اور قاضی کے فیصلے کے حوالے سے متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں:

"Between the Quranic text and the courts decree lies a long series of questions"(47).

اس کے بعد مصنف اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"In short, Jurisprudence in Islam is the whole process of intellectual activity which ascertains and discovers the term of the divine will and transforms them into a system of legally enforceable rights and dueties"(36).

فرینک ای ووگل (Franc E.Vogel) سعودی عرب کے قانونی نظام پر اپنی تحقیقی کام کے پہلے باب میں اس آیت ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' کے تحت لکھتے ہیں:

"The law is perfect but humans not mankind struggles to learn the Shariah from the Quran and Sunna"(48).

اس باب کو مصنف موصوف نے "Ijtihad as law" کا عنوان دیا ہے، یہاں بھی وہی الجھن ہے جو کولسن کو پیش آ رہی تھی۔ یہ کتاب کا پہلے حصے کا پہلا باب ہے۔ اس حصے کو جو عنوان دیا ہے اس سے اس دانشور کی فکر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسلامی قانون کو ''فقہی مکاتب فکر کا قانون'' "The law of religious-legal schools" قرار دیتا ہے

مستشرقین کی الجھن کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت میں مذہبی پیشواؤں کو یہ مقام حاصل رہا ہے کہ وہ جس چیز کو بلاسند حلال قرار دیتے اسے حلال تصور کیا جاتا تھا اور جسے حرام قرار دیتے اسے حرام تصور کیا جاتا تھا، قطع نظر اس کے اس کی کوئی دلیل ہے یا نہیں۔ قرآن مقدس نے نصاریٰ کے اس طرز عمل کی اس آیت میں مذمت فرمائی ہے: ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ ...... اِلٰهًا وَّاحِدًا'' (۴۹)

اس آیت کے ضمن میں اکثر مفسرین (۵۰) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے جس میں عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عدی! اس بت کو اتار پھینکو۔ عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ براءۃ کی یہ آیت: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ ......الخ پڑھتے سنا تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ان (علماء) کی عبادت تو نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أليس يحرمون ما أحل اللّٰه تعالىٰ فيحرمونه، و يحلون ما حرم الله فيستحلون (۵۱)''؟

(کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ (اُن کے علماء) اللہ کی حلال کردہ جس چیز کو حرام ٹھہراتے تو ان کے عوام بھی اس چیز کو حرام جانتے اور اللہ کی حرام کردہ جس چیز کو حلال ٹھہراتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے)۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ہاں ایسے ہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی ان (علماء) کی عبادت تو تھی'' (۵۲)۔

مسیحی مذہبی رہنماؤں کے اس تاریخی پس منظر میں مستشرقین کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ اسلامی قانون میں بھی جب کوئی مجتہد یا مفتی اجتہاد یا افتاء کے فرائض سرانجام دیتا ہے تو وہ آزادانہ رائے سے کام لیتا ہے اور اس کی رائے ہی مذہبی اُمور میں سند یعنی اتھارٹی تصور کی جاتی ہے (۵۳)، قطع نظر اس کے کہ قرآن وسنت اور دیگر اُدلہ شرعیہ سے اس کی تائید ہوتی ہو یا نہیں! اسلامی قانون میں اس نوع کی صورتحال کا سد باب بالکل ابتدائی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کر دیا تھا جیسا کہ عدیؓ کی حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مقدس نے یہ بات خوب کھول کر بیان کر دی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں کسی کی رائے، قانون یا فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں ہے: ''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ......'' (۵۴)

کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دے دے تو ان کے لیے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے۔

اسلامی قانون مذہبی پیشواؤں اور مجتہدین کو یہ حیثیت نہیں دی جاتی جو مسیحیت میں پادریوں کی آراء کو دی جاتی ہے۔ وہ تو خدا کے نمائندے اور ترجمان بن کر خدا کی اس بادشاہی کو عملاً نافذ بھی کرتے ہیں (۵۵) اور جو تحلیل وتحریم کے معاملہ میں مکمل طور پر خود مختار تصور کیے جاتے ہیں۔ اسلامی قانون میں کسی مجتہد کی رائے کی اس وقت تک کوئی حقیقت نہیں جب تک اس کی پشت پر قرآن وسنت، اجماع اور دیگر اُدلہ شرعیہ میں سے کسی کی کوئی سند موجود نہ ہو، بلکہ یہاں تو اللہ کے رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہو اسے وہ حرام ٹھہرائے جیسا کہ ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (۵۶)

''اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں''۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس صورت میں کسی چیز کو حلال یا حرام

ٹھہراتے ہیں جب وحی متلو یا غیر متلو کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات ملتی (۵۷) ہیں۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال اور قرآن وسنت کی نصوص کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ائمہ و فقہاء بالخصوص ائمہ اربعہ کا مقام شارعین دین (Law givers) کا نہیں ہے بلکہ وہ شارحین (Interpreters of law) ہیں اور مجتہد بننا کسی خاص فرقے یا گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا مدار اہلیت ہے۔ اس لیے کسی بھی مجتہد کی رائے قرآن اور حدیث نبوی کے مقابلہ میں نہ حجت ہے اور نہ اسے سند تصور کیا جاتا ہے۔

حاصل بحث:

اسلام کا تصور حاکمیت مغرب کے تصور حاکمیت سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے جبکہ مغربی قانون میں حاکمیت (Sovereignty) بادشاہ پارلیمنٹ، کانگریس یا اس نوع کے مجاز مجالس قانون ساز کو حاصل ہے اور انہیں مقتدر اعلیٰ (Sovereign) تصور کیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون میں قانون کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جبکہ مغربی قانون میں قانون کا سرچشمہ پارلیمنٹ اور دیگر مقتدر ادارے ہیں۔ اسلامی قانون میں حکومت ایک مقدس امانت ہے اور حاکم وقت کی حیثیت خلیفہ کی ہے۔ صرف جائز حدود میں اس کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس مغربی نظام حکومت میں پارلیمنٹ خود ہی جائز و ناجائز کی حدود طے کرنے کا بالاتر ادارہ ہے، اس کے قوانین کو کسی بھی عدالت یا فورم پر چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس اسلامی ریاست میں حاکم کو قانون سازی کا حق غیر محدود اور غیر مشروط نہیں ہے بلکہ وہ قرآن و سنت کے بالاتر قانون کے تابع قانون سازی کر سکتا ہے۔ غیر منصوص امور یعنی اجتہادی اور انتظامی معاملات میں ایک وسیع دائرہ قانون سازی کا ہے جہاں مجلس قانون ساز شریعت کے مزاج، مقاصد اور مصالح کو پیش نظر رکھ کر شرعی اصولوں کے مطابق قوانین بنانے کی مجاز ہے، جبکہ مغربی نظام حکومت میں پارلیمنٹ غیر محدود اور غیر مشروط اختیارات کی حامل ہے۔ اسے کسی بھی رسم ورواج سابقہ یا رائج الوقت قانونی نظائر اور دیگر کسی بھی شکل میں موجود قوانین کو کالعدم (Null and Void) قرار دینے کا حق حاصل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ معیار مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) کسوٹی، کھرا کھوٹا جانچنے کا پتھر، (۲) ناپنے یا وزن کرنے کا آلہ، (۳) اندازہ، پیمانے، قاعدہ، نصاب (۴) پرکھ، جانچ، (لسان العرب ۴:۶۲۳ مادہ عیر: الصحاح ۲: ۶۵۴؛ فیروز اللغات (نیا ایڈیشن) ص ۱۲۶۶ مادہ م۔ ع)

۲۔ Criteria کا معنی معیار جس پر کسی چیز کو پرکھا جائے، The chambers Dictionary میں Criteria کا معنی ہے:

"A means or standard of judging, a test; a rule standard or canon" دیکھئے: مذکورہ لغت، ص۴۰۳، مادہ critique

۳۔ دیکھئے: Raz, The Authority of law، ص۷۹

۴۔ دیکھئے: The Authority of law، ص۷۹۔۸۰۔

۵۔ مصنف لکھتے ہیں:

"No vast literature is dedicated to answering the questions what is chemistry?, or What is medicine?, as it is to the question what is law. Yet, in the case of law things which at first sight look as strange as these have often been said and not only said but urged with eloquence and passion, as if they were revelations of truths about law long observed by gross misrepresentations of its essential nature". (The Concept of Law by Hart, p.1)

اس کتاب میں موصوف نے قانون کے مختلف نظریات بالخصوص۔ آسٹن کی "command theory" کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اور سب سے اہم بات اس کی یہ ہے کہ اس نے قوانین کی primary اور secondary کے اعتبار سے میں جو درجہ بندی کی ہے وہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔

۶۔ دیکھئے مصنف کی کتاب The concept of a legal system، ص I

۷۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

(Introduction to Jurisprudence، ص۴۹)

۸۔ حوالہ بالا

۹۔ دیکھئے موصوف کی کتاب The Authority of Law، ص۷۹

۱۰۔ مصنف نے اس کے علاوہ ایک اور جواب کی نشاندہی بھی کی ہے جسے وہ نسبتاً کم واضح تصور شناخت سے تعبیر کرتا ہے:

"A more or less clear concept of the Identity of a legal system is precupposed by any investigation into its material unity".

قانونی نظام کی یہ صوری وحدت (Material Unity) یقیناً بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے بلکہ یہ دیگر تصورات کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتماد معیار ہے جس سے کسی نظام کی روح، ہم آہنگ اُجزاء، روایات اور اس اساس کا اندازہ ہو جاتا ہے جس پر وہ پورا نظام قائم ہے۔ دیکھئے حوالہ بالا ص ۸۰

۱۱۔ المستصفیٰ من علم الاصول ۱:۵۵؛ المحصول فی علم اصول الفقہ ۱:۱۸-۲۳؛ البحر المحیط ۱:۹۱-۹۲؛ اصول الفقہ (حضری)، ص۳۰۔۳۱؛ اصول الفقہ (ابوزہرہ)، ص

۲۶۔۲۷؛ اصول الفقہ الاسلامی (زحیلی) ۱: ۳۷

۱۲۔ مثلاً جامعہ ازہر سے ڈاکٹر دیاب عبدالجواد عطا نے ۲۵۹ صفحات پر مشتمل کتاب ''ارکان الحکم'' کے نام سے لکھی ہے، یہ ۱۹۸۰ء میں دارالأدباء مصر سے شائع ہوئی ہے۔

۱۳۔ البحر المحیط فی اصول الفقہ (زرکشی)، ص ۱۰۳-۱۰۹

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کی ''حاکمیت'' کے بارے میں متعدد آیات ہیں مثلاً:
''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ...... (یوسف ۱۲: ۴۰)، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المائدہ ۵: ۵۰)، ''اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ......'' (الانعام ۶: ۱۱۴)، اس نوع کی ۲۲ کے قریب آیات تو وہ ہیں جن میں لفظ ''حکم'' اور اس کے مشتقات سے اللہ کے حکم اور شارع ہونے کا ثبوت ملتا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے:
البقرہ ۲: ۲۱۳، آل عمران ۳: ۲۳، المائدہ ۵: ۴۴،۴۵،۴۷،۵۰، الانعام ۶: ۵۷،۶۲،۱۱۴، یوسف ۱۲: ۴۰، الرعد ۱۳: ۳۷، الکہف ۱۸: ۲۶، النور ۲۴: ۴۸، ۵۱۔

۱۵۔ الإحکام ۱: ۴۱۔ علامہ شوکانی نے بھی انہی الفاظ میں اتفاق نقل کیا ہے۔ ارشاد الفحول ۱: ۲۸

۱۶۔ جامعہ ازھر کے ڈاکٹر دیاب عبدالجواد ''الرکن الاوّل–الحاکم'' کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''اما فی الشرع فھو اللّٰہ تعالیٰ، و قال المعتزلۃ ھو العقل'' (ارکان الحکم، ص ۱۱)

۱۷۔ ڈاکٹر عبدالحلیم عبدالفتاح عمر جامعہ ازہر میں کلیۃ الشریعۃ والقانون کے معروف مدرس ہیں۔ ان کی حکم شرعی پر مستقل کتاب ''دراسات فی الحکم الشرعی عندالاصولیین'' ہے

۱۸۔ دراسات فی الحکم الشرعی عند الاصولیین، ص ۹؛ علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ عقل معتزلہ کے نزدیک حسن وقبح میں حاکم ہے: ''عندالمعتزلہ العقل حاکم بالحسن والقبح'' (التلویح الی کشف حقائق التنقیح ۱: ۴۰۷) اس میں واضح اشارہ ہے کہ عقل کا یہ مرتبہ حسن وقبح کی معرفت میں ہے نہ کہ اسے ''حاکم مطلق'' کا درجہ حاصل ہے۔ معروف معاصر فقیہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی کا بھی یہی مؤقف ہے۔ (اصول الفقہ الاسلامی ۱: ۱۱۵)

۱۹۔ المستصفیٰ ۱: ۸۳

۲۰۔ معروف مغربی ماہر قانون ہارٹ مقتدر اعلیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:
A person or body of persons whose orders the great majority of the society habitually obey any other person or persons" (The Concept of Law, ص ۴۹)

۲۱۔ The Concept of Law، ص ۶۴-۶۵

۲۲۔ سامنڈ نے بھی اس الجھن کا ذکر کیا ہے اور حاکمیت کے مذکورہ تصور کے مطابق امریکہ میں بھی کانگریس یا وفاقی مقننہ اور دیگر قانون ساز اداروں کو قانون سازی کے غیر محدود اختیارات حاصل نہیں ہیں: "Their authority is defined in the constitution" (Salmond's Jurisprudence ص ۱۳۴) مولانا مودودی لکھتے ہیں: ''یہی وجہ ہے کہ علم سیاست کے ماہرین جب حاکمیت کا واضح تصور لے کر انسانی سوسائٹی کے دائرے میں اس کا واقعی مصداق تلاش کرتے ہیں تو انہیں سخت پریشانی ہوتی ہے۔ کوئی قامت ایسا نہیں ملتا جس پر یہ جامہ راست آتا ہو، اس لیے کہ انسانیت کے دائرے میں، بلکہ درحقیقت

مخلوقات کے دائرے میں، اس قامت کی کوئی ہستی سرے سے موجود ہی نہیں، اسی حقیقت کو قرآن بار بار کہتا ہے کہ فی الواقع حاکمیت کا حامل صرف ایک خدا ہے" (اسلامی ریاست، ص ۳۱۴-۳۱۵)

۲۳۔ آل عمران ۲۶:۳

۲۴۔ الناس ۲:۱۱۴

۲۵۔ التین ۵:۹۵

۲۶۔ البروج ۱۶:۸۵

۲۷۔ "Sovereign Power" کا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ریاستی قوت جس سے بالاتر کوئی قوت نہ ہو:
"Sovereign: A King, one highest of all; a gold coin".
Sovereign Power: The power in a state to which none is superior.
دیکھئے: Law Terms and phrases، سردار محمد اقبال خان، ص ۸۳۹

۲۸۔ Salmond, Jurisprudence، ص ۱۳۱

۲۹۔ حوالہ بالا، بوڈن فرانس کا فلسفی سیاستدان ہے، اس نے حاکمیت مطلقہ کی اہمیت اور اس کے خدوخال پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (Curzon, Jurisprudence، ص ۶۲)

۳۰۔ جوزف راز The concept of a Legal System، ص ۸

۳۱۔ جب پارلیمنٹ نے بادشاہ کو پابند بنا دیا ہے کہ وہ قانون سازی کے امور میں مداخلت نہیں کرسکتا تو وہ مقتدر اعلیٰ نہیں ہے خواہ اسے کوئی بھی نام دیا جائے: "This Parliament bound the King that he would not interfere in the matter of legislation" (Introduction to English Law, Philip & James، ص ۸)

۳۲۔ The Principales of British Constitution، (محمد ممتاز)، ص ۳۱

۳۳۔ پارلیمنٹ کے مفہوم میں بادشاہ، دارالامراء اور دارالعوام تینوں شامل ہیں لیکن عملاً اختیارات کا سرچشمہ دارالعوام ہی ہے، کیونکہ وہ دارالامراء کی منظوری کے بغیر بھی قانون وضع کرسکتا ہے، جبکہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ قانونی مسودات کے لیے بادشاہ کی منظوری محض رسمی چیز ہے اور رواج کے مطابق بادشاہ اس منظوری سے انکار نہیں کرسکتا دیکھئے: Introduction to British Constitutional Law, p. 31-35؛ The Principales of British Constitution، (محمد ممتاز)، ص ۳۱

۳۴۔ حوالہ بالا

۳۵۔ وسیع تر مفہوم میں لفظ "Legislation" ہر قسم کی قانون سازی کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین ہوں یا Judge Made Laws ہوں:

In a wide sense it includes all methods of law making and, therefore, would take in judge made laws also." (Salmond's Jurisprudence, ص ۱۳۹)

۳۶۔ The Western Idea of Law، ص ۱۵۴-۱۵۵، ۱۶۸

۳۷۔ ابتداء میں اس انقلاب کے ثمرات اچھے تھے لیکن اس انقلاب کے باوجود پرانے نظام کو یکسر ختم نہیں کیا جا سکا

اور اس کے حامیوں نے دوبارہ بادشاہت کا احیاء کر لیا۔ پہلی جمہوریہ ۱۷۷۲ء سے لے کر پانچویں جمہوریہ (۱۹۸۵ء) کے قیام تک یہ کشمکش جاری رہی۔ (World Constitutions, Constitutions of France، ص ۳)

۳۸۔ Select Constitutions of the World، ص ۱۹۰

۳۹۔ آرٹیکل نمبر ا میں ہے:

All Legislative powers herein granted shall be vested in a congress of United States (The Constitution of U.S.A., p.41)

۴۰۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں باقاعدہ حاکمیت الٰہیہ کا یہی تصور دیا گیا ہے:

"Whereas sovereignty over the entire universe belongs to almighty Allh alone and authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by him is a sacred turst".

(The Constitution of the Islamic Republic of Pakistan، ص ۱)

۴۱۔ "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" (الأعراف ۷: ۵۴) "سنو خلق اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے"۔

۴۲۔ "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا" (الاحزاب ۳۳: ۳۶)

۴۳۔ اسلام کے سیاسی نظریات میں اہم ترین اقتدار اعلیٰ کا نظریہ ہے جس کی رو سے وہی ایک ذات امر و نہی کی مختار اور دستور و قانون کا سرچشمہ ہے۔ اس اقتدار کی چند خصوصیات قرآن مجید میں یہ بیان کی گئی ہیں:

- مقتدر اعلیٰ اللہ وحدہ لاشریک ہے "وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ" (الفرقان ۲۵: ۲) اقتدار اعلیٰ میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کا اقتدار بڑا وسیع اور ہر چیز پر حاوی ہے۔
- بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ (یٰس ۳۶: ۸۳) اسی کے زیر اقتدار ہر چیز ہے
- مقتدر اعلیٰ کے حکم پر کوئی نظر ثانی کرنے والا نہیں: وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ (الرعد ۱۳: ۴۱) (اور اللہ حکم دیتا اور اس کے حکم پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں)
- کن فیکونی قوت کا مالک ہے: وَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران ۳: ۴۷)
- غیر فانی ہے: اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرہ ۲: ۲۵۵) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمٰن ۵۵: ۲۷)

۴۴۔ البحر المحیط فی اصول الفقہ ۱: ۱۰۳؛ المحصول ۱: ۴۸-۶۵؛ اصول الفقہ، (شیخ خضری)، ص ۲۱-۲۹

۴۵۔ Coulson, Conflicts and Tensions in Islamic Jurisprudence، ص ۱

۴۶۔ حوالہ بالا

۴۷۔ حوالہ بالا، ص ۲

۴۸۔ دیکھئے: Vogel, Frank E, Islamic Law and legal system, studies of Saudi Arabic ص ۴ Frank E.Vogel

۴۹۔ التوبۃ ۹ : ۳۱

۵۰۔ صفوۃ التفاسیر (۵۳۱:۱)؛ تفسیر القرآن العظیم (۳۳۳:۲)؛فتح القدیر (شوکانی)۲: ۳۵۵

۵۱۔ امام ترمذی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اسے غریب قرار دیا ہے:

عن عدی بن حاتم قال: أتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و فی عنقی صلیب من ذھب. فقال یا عدی اطرح عنك ھذا الوثن، و سمعتہ یقرا فی سورۃ براء ۃ:(اتَّخَذُوْ أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ ...... اِلٰهًا وَّاحِدًا) قال: اما انھم لم یکونوا یعبدونھم، ولکنھم کانوا اذا احلوالھم شیئا استحلوہ، و اذا حرموا علیھم شیئا حرموہ (سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن باب ۹(۳۱۰۴)۵: ۲۷۸

۵۲۔ امام رازی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اُوامر ونواہی میں ان کی اطاعت کی جاتی تھی کیونکہ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ وہ حقیقتاً دنیا کے معبود بھی ہیں:

الأکثرون من المفسرین قالوا: لیس المراد من الأرباب انھم اعتقدوا فیھم انھم آلھة العالم، بل المراد انھم اطاعوھم فی أوامرھم ونواھیھم (التفسیر الکبیر ۸: ۳۸)

۵۳۔ Conflicts and Tensions in Islamic Jurisprudence، ص ۱

۵۴۔ الاحزاب ۳۳: ۳۶ محمد علی صابونی، اس آیت میں "أن یکون لہ الخیرۃ" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ای أن یکون لھم رأی أو اختیار، بل علیھم الانقیاد والتسلیم، قال ابن کثیر: وھذہ الآیة فی جمیع الأمور، و ذلك انہ اذا حکم اللّٰہ و رسولُہ بشیٔ فلیس لأحد مخالفتہ ولااختیار لأحد ولا رأی ولاقول" (صفوۃ التفاسیر ۲: ۵۲۷)؛

۵۵۔ مثلاً مغربی دانشوروں کا "The Theory of Divine rights" کے عنوان کے تحت درج ذیل تبصرے کی روشنی میں اس دعویٰ کو پرکھا جاسکتا ہے:

"The theory of the divine right of Kings in its completest form involves the folowing propositions: (i) Monarchy is a divinely ordained institution. (ii) Hereditary right is indefeasible. (iii) Kings are accountable to God alone (iv) Non resistance and passive obedience are enjoined by God. "

(The Western Idea of Law، ص ۱۶۸)

۵۶۔ التحریم ۱: ، علامہ ماوردی نے "تحریم ما أحل اللہ" کا عقیدہ رکھنا کفر قرار دیا ہے اور اس آیت کی توجیہ یہ کی ہے اللہ کی حرام کردہ چیز کو نبیؐ حلال نہیں جانتا تھا بلکہ صرف کھانے سے باز رہنے کی قسم کھائی تھی۔

۵۷۔ (تاویلات اھل السنۃ (ماتریدی)۵: ۱۷۱)